محمد ممتاز خان* ڈاکٹر مقبول گیلانی**

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی شاعری کا سماجی مطالعہ

Abstract: *It is a universal fact that Allah Almighty not only sent Holy books, scriptures to preach knowledge and social reforms but also sent Prophets, saints and Holy men for the betterment of human beings. In 1000 years of Siraiki poetic diction. Baba Farid is one of them who got prominent place in literature. He was born at "Kothaywal" in the suburbs of Multan. He was devotee of famous Saint Khawaja Qutbudin Bakhtiyar Kaki. This spiritual guide permitted him to go to Pakpattan for preaching of Islam. The Collection of his poetry is named "Shalook-e-Faridia". Firstly this poetry was introduced by the Holy book of Sikhism "The Granth Sahib". Baba Farid was considered and introduced as a first Sufi Poet in Siraiki poetic diction. Whereas his poetry got remarkable and prominent place in religion, on the other hand it covered all aspects of social reforms beautifully. The present study enlightens all these social reform aspects of Baba Farid' poetry.*

انسانی سماج کی ابتداء تو اولاد آدم و حوّا کے وجود سے ہی نمو پذیر ہو گئی تھی مگر فلسفہ سماج کو باقاعدہ تسلیم کرنے کی تاریخ کچھ زیادہ پرانی نہیں ہے، تاہم دورِ موجود میں اس کی حیثیت مسلمہ ہو چکی ہے۔ سماج کی ایک کُلی حیثیت ہے جس کے اجزاء انسانی گروہ کے رسوم ورواج، قوانین،ادارے، لسانیات، محسوسات، عقائد،افکار اور طرز ہائے حیات ہیں۔ سماجیات کے دائرے میں حیاتِ انسانی پر اثرانداز ہونے والی تمام چیزوں کو شامل کیا جاسکتا ہے۔ عائشہ بیگم کے بقول"اگر انسانیات کو انسانیت کا عام مطالعہ تسلیم کرلیاجائے تو اس کو دو شاخوں میں تقسیم کیاجاسکتاہے۔ ایڈیو ٹا لوجی(Idiotology)اور سماجیات۔ ان میں سے ہر ایک کئی علیحدہ قسم کے سائنسی علوم پر مشتمل ہو گا"۔(۱)

انسانی سماجیات میں اس کی اخلاقیات، نفسیات،معاشیات، دینیات، سیاسیات، ماحولیات،روایات و مبادیات سب کا گزرواثر ہے۔ انسانی حیات وقت کے ساتھ ساتھ اپنے معیارات و اعتبارات میں تبدیلی کو جزو لاینفک سمجھتی چلی آرہی ہے۔ تاریخیات ہمیں زندگی کے چیدہ چیدہ اور نمایاں پہلوؤں سے آگاہ کرتی رہی ہے مگر سماجیات انسانی حیات کے ان پوشیدہ پہلوؤں کو موضوعِ بحث بناتی ہے جن کا تذکرہ عمومی گردانا جاتاہے۔ مختصر لفظوں میں یوں کہاجاسکتاہے کہ سماجیات انسانی

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ سرائیکی، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور

** پرنسپل گورنمنٹ کالج جلال پور پیروالا، ملتان۔

حیات کی ہی وہ تجریدی تصویر ہے جس کو جانچنے اور بھانپنے کے لیے گہرے شعور اوروسیع تر علمی سوجھ بوجھ کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ اس تصویر کی جزیات اور مفاہیم کی تہہ تک پہنچا جاسکے۔

کسی گروہ کی سماجیات کے بہتر مطالعے اور تحقیق و تنقید کے لیے اس کے عقیدے کی پہچان بھی از حد ضروری خیال کی جاتی ہے کیونکہ انسانوں کے کم و بیش سبھی گروہ عقیدے اور لسان کی بنیادوں پر اپنے اپنے سماج کی بنیاد رکھتے دکھائی دیتے ہیں۔ سماجی اکائی قائم کرنے کے لیے اس کی لِسان اور لِسانی کاوشوں سے بہتر کوئی ذریعہ معتبر ثابت نہیں ہوا۔ دور موجود میں ادبی دنیا بڑی سرعت سے تبدیلی کا پیرہن بدل رہی ہے۔ ادب کا سماجی پہلو ہویا پھر سماج کا ادبی پہلو، ایک دوسرے کے لیے جسم اور روح کی کیفیت کے مظہر ہوگئے ہیں۔ پہلے ادب سماجی رویوں سے پھوٹتا پنپتااور پھلتا پھولتا تھا اب خود سماجیات کی اعلیٰ اقدار کا بیج ادب کی کھیتی میں بویا جانے لگا ہے۔ ادب جس دنیا میں پروان چڑھتا ہے وہ دنیا بھی کسی نہ کسی صورت میں ادب میں موجود رہتی ہے۔ اس ضمن میں رچرڈ ہوگا رٹ کی رائے ہے کہ:"ادبی دستاویز کے بغیر سماج کا مطالعہ کرنے والا کوئی شخص سماجی زندگی کی تکمیلات سے محروم ہی رہے گا" (۲)

سماجی ادب کی توضیح کرتے ہوئے ایک سماجیاتی مفکر مینیجر پانڈے نے اس سے چار نمایاں فوائد کا حصول ممکن بتایا ہے۔ ان کے مطابق:

> "ایک تو یہ کہ ادب کا سماجیات مفکرِ سماج اور اس کے تئیں انسان کے رد عمل کو زیادہ حساس بناسکتا ہے۔ دوسرا تصور کی عمل پذیری پر دھیان دینے سے انسانوں کی اصل خواہشات کا علم ہوسکتاہے، تیسرا ادبی دستاویز کے ٹھیک استعمال پر سماج کے بارے میں ایسی معلومات فراہم ہوسکتی ہے جو کسی اور ذرائع سے ممکن ہی نہیں۔ چوتھا یہ کہ سماجی ادب سماج کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔" (۳)

کلاسیکی ادب اور عالمی ادب کی توقیر و توصیف کے ساتھ تعمیرِ ادب کے مواقع معرضِ وجود میں آئے تو قومی ادب نے بھی وقعت پکڑی۔ ادب کے سلسلے میں نظریات کی تبدیلی کو سماجی ترقی کے عمل سے الگ کرکے قطعاً نہیں دیکھا جاسکتا۔ قوم کے شعوری ارتقاءِ کے واسطے قوم کی تاسیس اقتصاد اور سماجی رفاع پر مبنی ہے۔ قومی انفرادیت اور قومی لسانیات کے بغیر قومی ادب کی ترویج انتہائی مشکل ہے۔ سماجی ترقی کے امکانات اور ادب کے نت نئے تجربات کے فروغ کی ایک عمدہ مثال عالمی ادب کا تصور ہے۔ اقوام عالم کے باہمی اعتماد کی وجہ سے اقتصاد کے ساتھ ادب کے تبدل و تراجم سے عالمی ادب کو نمود ملی۔ مینیجر پانڈے کی "ادب کی سماجیات" کے مطابق:

> "کالی داس، غالب یا شکسپیئراس وقت عالمی شاعر کی حیثیت سے سامنے نہیں آئے تھے جب اُن کا تخلیقی عمل جاری تھا۔ وہ عالمی شاعر اس وقت بنے جب عالمی ادب کا تصور

قائم ہوا۔ جو لوگ اس تصور کے تعمیری دور میں سامنے آئے ان میں سے کئی آسانی سے
عالمی شاعر بن گئے۔(۴)

اسی تناظر میں دیکھا جائے تو دنیا کے کم و بیش ہر قومی انقلاب کی بنیاد اس قوم یا سماج کے پروردہ کسی نہ کسی شاعر کی شخصیت یا اس کے دور کے ادیبوں کا گروہ بنتا دکھائی دیتا ہے۔ سرائیکی سماج کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو الہامی کتب صحائف ملفوظات و فرمودات کے سنگ ماہرینِ شعریات کے ساتھ ساتھ ادبی شہ پاروں اور اقوال زرّیں کو کسی طور پسِ پشت نہیں ڈالا جاسکتا۔ مسعود الدین فرید گنج شکرؒ کے اشلوک اُس دور کے سماج، مزاج، رواج، اناج، عقیدے اور سیاس کے حالات کی تصویر کشی کرتے نظر آتے ہیں۔ انہی خصائص کی بنیاد پر ان کے کلام کو مقامِ احتشام کا درجہ ملا اور وہ "گرنتھ صاحب" کا جزو لاینفک بننے میں کامیاب ہوئے۔ یہ کلام وہ کلام قرار پایا جس کی تقلید سکھ مت کا فرض اولین ٹھہرا۔ اس دور کے سماج کی وضاحت و فصاحت میں جھانکنے کے لیے جب کوئی اور دریچہ وا نہیں ملتا تو بابا فرید کے اشلوک اور گربھیوں کے توسط سے از سرے نو سما مطالعے کی ضرورت دو چند ہوجاتی ہے۔ اس حوالے سے بابا فرید کی شاعری ہمیں سرائیکی سماج کی تصویر کشی میں ہر درجہ معاون بنتی دکھائی دیتی ہے بلکہ بابا کی شاعری تو ہے ہی سرائیکی سماج کا اصل سراپا۔ بارھویں صدی عیسوی کے آخر اور تیرھویں صدی عیسوی کے اوئل کے زمانے کا یہ صاحب بصیرت صوفی جو سماجی سدھار کے حوالے سے نہ صرف سکھ مت کی متبرک کتاب گرنتھ کا حصہ بنا بلکہ سرائیکی ادب کا اولین سماجی مصلح شاعر قرار پایا۔ بلونت سنگھ آنند اپنی کتاب "فرید، نانک، بلھاؒ" میں لکھتے ہیں:

> "بابا فریدؒ اپنے کلام میں دیہات کی زندگی کی تشبیہات اور پیکر استعمال کرتے ہیں۔ وہ زندگی کو دلہن اور موت کو دلہا قرار دیتے ہیں۔ زندگی کی محدود مدت کو تل کے دانوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ موت کو شکرے اور گم کردہ راہ روحوں کو سارس سے مماثل ٹھہراتے ہیں۔ وہ اس دوشیزہ کے گیت گاتے ہیں جو شادی کی منتظر ہے۔ جو لوگ باجماعت نماز نہیں پڑھتے انہیں کتا قرار دیتے ہیں۔ بابا فریدؒ اپنے کلام میں لوہار، ایندھن کی لکڑی، کوئلے، نمک، آٹے، سوکھی اور چپڑی روٹی، ڈھول نقاروں اور چتروں کا ذکر کرکے مقامی سماج میں انسانی بھلائی کا درس دیتے ہیں۔ اس طرح وہ موسموں کے تغیر، کیچڑ، گلی کوچوں، کمبل، لباس کا ذکر کرکے لوگوں سے اپنی وابستگی کا اظہار کرتے ہیں۔" (۵)

ہر انسان اپنے سماج کی بنیادی اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ کسی سماج کی بہتری اور اصلاح ہمیشہ اس کے اندر بسنے والے لوگوں کی اخلاقی، کرداری، مذہبی، سیاسی، عمرانی اور اقتصادی بہتر صورت حال پر مبنی ہوتی ہے۔ اس حوالے سے بابا فرید نے اپنے اشلوکوں کے ذریعے خودشناسی اور خود اصلاحی کے کئی پیکجز (Packages) متعارف کرائے ہیں وہ انسان کو سب سے

پہلے خود احتسابی کو اپنا شعائر بنانے پر زور دیتے ہیں اس حوالے سے وہ لوگوں کو دنیا کی بے ثباتی، عارضی، زندگی اور آخرت کے امتحان جز ا و سزا کا قائل اور تنبیہ کرتے نظر آتے ہیں۔ان کے نزدیک دنیا کی زندگی عارضی ہے اور اس مختصر وقت میں انسان طویل المدتی منصوبہ نہ بنائے تاکہ آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی میں آرام و سکون کے لطف اُٹھائے ۔بابا فرید اپنے پہلے اشلوک میں پند و نصائح کے ساتھ دنیا اور کارِ قدرت پر کچھ اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

جت دیہاڑے دھن وری ساہے لئے لکھاءِ
ملک جو کنیں سنیندا مونہہ ڈکھالے آءِ
جند نمانی کڈھی اے ہڈا کو کڑکاءِ
ساہے لکھے نہ چلنی جند وکوں سمجھاءِ
والوں نکی پر صلات کنیں نہ سنی آءِ
فریدا کڑی پوندی ای کھڑا نہ آپ مہاءِ (۶)

بدلے کا خوف ہو یا جزا کی خوشی دونوں نسل انسانی میں توازن قائم رکھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔جزا اور سزا کا تصور اسلام کی بنیادی تعلیمات کا لازمی جزو قرار دیا گیا ہے۔اسی اصول پر ایک مثالی اور پرامن سماج کی بنیاد ڈالی جاسکتی ہے۔ اس ضمن میں بابا فرید کے دوہوں پر بات کرتے ہوئے پروفیسر کشن سنگھ لکھتے ہیں:

ترجمہ: "اِن دوہوں کا ایک دوسرے کے خلاف سماجی انسانی عمل بھی اپنا اپنا ہے۔جن اعمال کا تذکرہ فرید نے کیا ہے ان کا لُبِ لباب صرف بھجن ہی نہیں بلکہ پوری انسانی طرز حیات ہے۔" (۷)

مثالی سماج کا بنیادی عنصر اس سماج کے پرور دہ لوگوں اور ان کے رویّوں پر مبنی ہوتا ہے۔لوگ اپنے رواج میں کیا چلن اختیار کرتے ہیں۔بندے کا ذاتی تحمل و تدبر اور ایثار ہی اس کے سماج کی قدروں کو معتبر بناتا ہے۔اس لیے ہر انسان کو نہ صرف اپنی ماہیت پر غور کرنا چاہیے بلکہ اپنی عادات واطوار کا بھی جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔ اجتماعی سماجی بگاڑ درحقیقت انفرادی خرابی سے ہی پروان چڑھتا ہے۔اگر ہر انسان اپنی اپنی اصلاح کر لے تو سماج خود بخود مثالی نمونہ بن جائے گا۔اس بارے میں بابا فرید کے وچار بھی کچھ ملتے جلتے ہیں۔

فریدا جے توں میرا ہوء رہیں، سبھ جگ تیرا ہوء(۸)

پروفیسر کشن سنگھ کے بقول:

ترجمہ: "فرید صاحب اور گورو صاحبان کے وقت کی شاعری اس سماج کا کلچر اور محاورہ تھا اس وقت سماج کے سب مسائل کا حل مذہب کی روشنی میں ہی تلاش کیا جاتا تھا۔" (۹)

بابا فرید روزمرہ کے معاملات میں اپنے رَڈیوں اور مثالوں سے سماجی بہتری کے ڈھنگ سکھانے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ کبھی نمک، روٹی، بھوک، آگ،چولہے،کا تی، تنور بالن،مصلّہ،پانی تو کبھی لحاف جیسی روز مرہ استعمال کی چیزوں کے حوالے دے کر انسانی اعمال، آخرت،عزت اورمرتبے کو بہتر بنانے کی صلاح دیتے ہیں تو کبھی دن، رات، دوپہر، لحاف، کمبل اور ویس جیسی چیزوں کے استعارے بناکر شب وروز گزارنے کے طریقے اور کامیاب سماجی زندگی کے گُر بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً۔

فریدا روٹی میری کاٹھ کی،لاون میری بھکھ
جنہاں کھادی چوپڑی گھنے سہن گے دُکھ (۱۰)
رکھی سکھی کھاءِ کے، ٹھنڈا پانی پیء
فریدا ڈیکھ پرائی چوپڑی نہ ترسائیں جیء
فریدا اکناں آٹا اگلا، اکناں ناہیں لونڑ
اگے گئے سنجاپسن، چوٹاں کھاسی کونڑ (۱۱)

مثالی سماجی معاشی نظام کی بہتری اور برتری کے لیے دولت اور اجناس کا حرکت پذیررہنا ہی مناسب ہوتاہے۔اپنی ذات کے لیے کم سے کم اور دوسروں کے لیے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کرنا اسلامی تعلیمات اور فرید کی شعریات کا ہی نہیں بلکہ مثالی سماج کا بھی حسن تصور کیاجاتاہے۔منفرد اور مثالی سماج کی چھت جن ستونوں پر ٹکی ہوتی ہے ان میں کلیدی ستون مذہب یا عقیدے کا ہوتا ہے۔یہی مذہب یا عقیدہ ہی تو ہے جو تصورِجزا اور سزا کی بنیاد پر انسان کو صبر و تحمل،ایثار اور حیات بسری کی دیگر تمام ذمہ داریوں پر کما حقہ عمل پیرا کراتاہے۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

ترجمہ: ”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا“ (القرآن: (۱۲)

مخلوق کو اسی فریضہ کی بجاآوری کے لیے بے شمار نبی اور رسول بھیجے گئے جو سماجی سدھار کے لیے تادم زیست تگ و دو میں مصروف رہے۔ نبوت کا سلسلہ ختم ہوا تو یہ ذمہ داری قطب وابدال اور صالحین نے نبھائی بابا فرید کی شعری تعلیمات بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔

فرید کنت رنگاولا وڈا بے محتاج
اللہ سیتی رتیاں اے سچاوا ساج (۱۳)
فریدا پچھلی رات نہ جاگیوں جیوندڑو مویوں
جے تیں رب وساریا تیں رب نہ وسریوں (۱۴)

اُٹھ فریدا عجو ساج صبح نواج گزار
جو سرسائیں نہ نویں سو سر کپ اُتار (۱۵)
جو سر سائیں نہ نِوے سو سر کیجے کائے
کنے ہیٹھ جلائی اے بالن سندی تھائے (۱۶)

بابا فرید نے جہاں لوگوں کو مقصدِ حیات سے آگاہ کیاہے وہاں کافی سخت فیصلے بھی صادر کیے ہیں۔خود آگاہی اور خود شناسی کے ساتھ ساتھ خود احتسابی بھی مثالی سماج کے قیام کا سبب بن سکتی ہے۔اس معاملے میں بھی فرید کسی طور کسی سے پیچھے نظر نہیں آتے انہوں نے برملا یہ کہہ دیا ہے کہ:

فریدا کالے مینڈے کپڑے کالا مینڈا ویس
گنہی بھریا میں پھراں لوک کہین درویس (۱۷)
فریدا صاحب دی کر چاکری دل دی لاہ بھراند
درویشاں نوں لوڑیے رُکھاں دی جیراند (۱۸)
فریدا رتی رت نہ نکلے جے تن چیرے کوئے
جو تن رتے رب سیو تِن تَن رت نہ ہوئے (۱۹)
فریدا چار گنوایا ہنڈھ کے چار گنوایا سم
لیکھا رب منگیسیا تو آہو کیرے کم (۲۰)

ایک انسان کے لیے خوش اخلاقی فریضہ اول کے طور پر سامنے آتی ہے۔ایک سماج میں رہتے ہوئے دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔گلِا، خوشامد اور مطلب پرستی سے احتراز برتنا چاہیے۔کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔کسی کی حق تلفی نہ ہوپائے تاکہ ایک مثالی سماج پروان چڑھ سکے۔اس حوالے سے اگر بابا فرید کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیں تو ان کی ساری شاعری سماج سے جڑی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔بابا فریدنے اپنی شاعری کا مواد عام جگہوں اور عوام سے کشید کیا ہے۔ان کے ذیل میں دیئے گئے چند اشعار سماجی جڑت اور وابستگی کی عمدہ کاوشوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

فریدا خاک نہ نندی اے خاکو جیڈ نہ کوئے
جیوندیاں پیراں تلے مویاں اوپر ہوئے (۲۱)

فرید اس شعر میں غرور و تمکنت کو ٹھکرا کر حلم اور رحم کو اپنانے کا درس دیتے دکھائی دیتے ہیں کیونکہ اس دنیا کا بویا آخرت میں کاٹنا پڑتا ہے۔فرید مکر و فریب کو زیادہ دیر چلتا محسوس نہیں کرتے۔حرص وہوس اور لالچ سماج کے لیے گھن کی طرح ہیں جو اس کی مضبوطی کو کھوکھلا کر دیتی ہیں۔بقول فرید:

فریدا جالب تا نیہہ کیا لب تا کوڑا نیہہ
کچر جھت لنگھائی اے چھپر تُٹے مینہہ (۲۲)

بابا فرید کی نگاہ میں منافقت انتہائی قبیح فعل ہے۔انسان کا راہ راست پر چلنا ہی اس کے اور سماج کے لیے احسن عمل ہے۔فرید اس انسانی رَوّیے کو چاندنی رات اور اندھیری کیفیت سے تعبیر کرتے ہیں۔

فریدا کن مصلیٰ صوف گل دل کاتی گڑ دات
باہر ڈسے چانا دل اندھیری رات (۲۳)

بابا فرید کے ہاں سماجی زندگی کا انتہائی خوبصورت نظام موجود ہے۔فرید اپنی شاعری میں دوسروں کو سدھارنے کی بجائے خود اپنے سدھار میں بھی سرگردان دکھائی دیتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ بندہ خود ٹھیک تو جگ ٹھیک۔دنیا میں اصلاح احوال کے لیے خود اپنی مثال دینا کار پیغمبری سمجھا جاتا رہا ہے لیکن بابا فرید ان صالحین میں سے ہیں جنھوں نے ساری تپسیا کا محور خود اپنی ذات کو بنایا ہے ان کا خیال ہے کہ:

فریدا من میدان کر ٹوئے ٹبے لاہ
اگے مول نہ اوسی دوزخ سندی بھاہ (۲۴)

بابافرید شکوے شکایت کرنے کی بجائے شکر گزاری کا قائل دکھائی دیتے ہیں۔وہ آزمائش اور عارضی مشکلات کو اپنی بہتری اور اصلاح کا موجب گردانتے ہیں۔فرید سماج میں فلسفہ اجتماعیت کو اولین ترجیح دیتے ہوئے اپنے مشاہدے اور ذاتی تجربے کو کچھ ایسے بیان کرتے ہیں۔

فریدا میں جانیا دکھ مجھ کو دکھ سبھا ایہہ جگ
اُچے چڑھ کے دیکھیا، تاں گھر گھر ایہا اگ (۲۵)

شکر گزاری کا شعار اور ریس پریسی کی مسابقت سماجی چلن کا آئینہ ہے۔انسان کو اپنے فرائض کی بجاآوری میں مگن رہنا چاہیے۔حرص و ہوس دنیا و آخرت خراب کرتے ہیں۔جو جہاں اور جیسا ہے کی بنیاد پر کام کرکے ہی سماج بہتر بنایاجاسکتا ہے۔بقول بابا فرید:

ہنساں ویکھ ترندیاں بگاں آیا چاؤ
ڈب موئے بگ بپڑے سرتل اوپر پاؤ (۲۶)

مسجد ہو یا مندر، گرجا ہو یا گردوارہ سماجی سیاسی واکائی کا بنیادی عنصر رہاہے۔اسلام میں مذہبی عبادات کے حوالے سے مسجد کی ایک مرکزی مسلمہ حیثیت رہی ہے۔یہی وہ پلیٹ فارم ہے جسے اجتماعی نظریات اور خیر خیریت سے آگہی کے

جملہ اسباب کا مستند ذریعہ تسلیم کیاگیاہے۔بابا فرید نے پیغام رسانی اور سماجی بھلائی کے لیے اس اہم جگہ کو بھی نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔

فریدا بے نواجا کیتا، ایہہ نہ بھلی ریت
کبھی چل نہ آیا پنجے وکھت مسیت (۲۷)

بابا فرید کے اس شعر کی گہرائی اور گیرائی کا پروفیسر کشن سنگھ کچھ اس انداز میں تجزیہ کرتے ہیں:

"پہلی بات تو یہ ہے کہ پانچ وقت مسجد جانا مراد نہیں مطلب یہ ہے کہ انسان کی سماجی زندگی میں عملی اصلاح کو اپنا کر شیطان کا راستہ چھوڑ کر رب کی راہ اختیار کرنا ہے۔" (۲۸)

دوئی الہیت میں ہویا محبوبیت میں، منافقت کا مظہر ہے۔اخلاص ہی کی بنیاد پر دنیا و آخرت کے فیصلے ہونا ہیں۔اسی نظریے کا اطلاق جب سماج پر کیاجائے تو اس ایکتائی کے سبب پُرامن معاشرے کی بنیاد قائم کی جاسکتی ہے۔ذات پات، رنگ و نسل اور مراتبت کی اونچ نیچ کی نفی مذہب ہی نہیں کرتا بلکہ بابا فرید بھی اس کے پرچارک دکھائی دیتے ہیں۔

جملہ سماجی بھلائی دراصل خدائی فرامین کی کما حقہ پیروی پر مبنی ہے۔بابا فرید اپنے اشلوکوں میں سماجی اونچ نیچ کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

ےفریدا تھیو پواہی دبھ، جے سائیں لوڑیں سبھ
اک چھجے بیا لتاڑیلے تاں سائیں دے در واڑی(۲۹)

پروفیسر کشن سنگھ کے مطابق: ترجمہ: "رب کی ساری خلقت سے مل جانا، کل برابری کی فکر کرنا،سماج میں انسانی مساوات اونچ نیچ، میری تیری اور جماعت و گروہی رنگ کا خاتمہ ہی بابا فرید کی شاعری کا نمایاں پہلو ہے۔"(۳۰)

پنجابی محقق نجم حسین سیّد نے بابا فریدؒ کی شاعری کی تفہیم انتہائی جامعیت کے ساتھ کی ہے۔ان کے مطابق:"اس لوک شاعری نے خلقت کو سنبھالا اور خلقت نے لوک شاعری کو۔فرید نے مٹی میں مِٹے ہوئے لوگوں کے تحفظ کو اُجاگر کیاہے۔" (۳۱)

بابا فرید کے اشلوکاں کا بغور مطالعہ کیاجائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ انسانی سماج کے بارے میں جو فلسفہ الہامی کتب سے درآیا ہے وہی رَس بابا فرید کے اشلوکوں سے بھی کشید ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ عائشہ بیگم، تاریخ اور سماجیات، نئی دہلی، ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۷ء بار اول،ص۱۰
۲. Richard Hogart, speaking to each other, Pakistan Book, 1973, P.20 .
۳۔ مینیجر پانڈے، ادب کی سماجیات: تصور اور تعبیر، (مترجم:سرور الہدیٰ)، نئی دہلی، انجمن ترقی اردو ہند،۲۰۰۶ء، ص ۴۶ ۔

۴۔ مینیجر پانڈے، ادب کی سماجیات: تصور اور تعبیر، مذکور، ص ۵۰

۵۔ آنند، بلونت سنگھ، فرید،نانک،بلھا، مرتبہ: آدم بٹ،لاہور، مطبع المطبقہ العربیہ، ۲۰۰۸ء،ص ص ۱۰۷، ۱۰۸

۶۔ محمد آصف خان (مرتب)، آکھیا بابا فرید نے (بارسوم)، لاہور، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۹۸ء، ص ۱۴۴-۱۴۲

۷۔ کشن سنگھ، پروفیسر، کلام بابا فریدؒ،لاہور، سانجھ پبلی کیشنز، اگست ۲۰۰۴ء، ص ۷۸

۸۔ محمد آصف خان (مرتب)، آکھیا بابا فرید نے، مذکور،ص ۲۴۰

۹۔ کشن سنگھ، پروفیسر، کلام بابا فریدؒ،مذکور،ص ۸۳

۱۰۔ بچن سنگھ، ڈاکٹر، بابا فرید دے اشلوک، لاہور، پیسہ اخبار سٹریٹ،س ن، ص ۵۶

۱۱۔ محمد آصف خان (مرتب)، آکھیا بابا فرید نے،مذکور، ص ص۲ ۱۷،۱۸۷

۱۲۔ القرآن، سورۃ الذاریٰت، آیت ۵۶

۱۳۔ بچن سنگھ، ڈاکٹر، بابا فرید دے اشلوک، ص ۵۶

۱۴۔ ایضاً، ص ۳۸
۱۵۔ ایضاً، ص ۳۸
۱۶۔ ایضاً، ص ۳۸

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۳
۱۸۔ ایضاً، ص ۳۲
۱۹۔ ایضاً، ص ۲۷

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۱
۲۱۔ ایضاً، ص ۱۰
۲۲۔ ایضاً، ص ۱۱

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۷
۲۴۔ ایضاً، ص ۳۹

۲۵۔ محمد آصف خان (مرتب)، آکھیا بابا فرید نے،مذکور،ص ۲۲۶

۲۶۔ بچن سنگھ، ڈاکٹر، بابا فرید دے اشلوک، ص۶۳

۲۷۔ ایضاً، ص۳۸

۲۸۔ کشن سنگھ، پروفیسر، کلام بابا فریدؒ،مذکور،ص ۴۳

۲۹۔ بچن سنگھ، ڈاکٹر، بابا فرید دے اشلوک، ص۱۰

۳۰۔ کشن سنگھ، پروفیسر، جنہاں پچھاتا سچ، لاہور، سچیت کتاب گھرچوک گنگارام، ص ۱۷

۳۱۔ نجم حسین سیّد، خاکوجیڈ نہ کوءِ، لاہور،ؒلام پبلشرز، ۱۹۹۵ء، ص ۱۴

☆☆☆☆☆